بندِ قبا

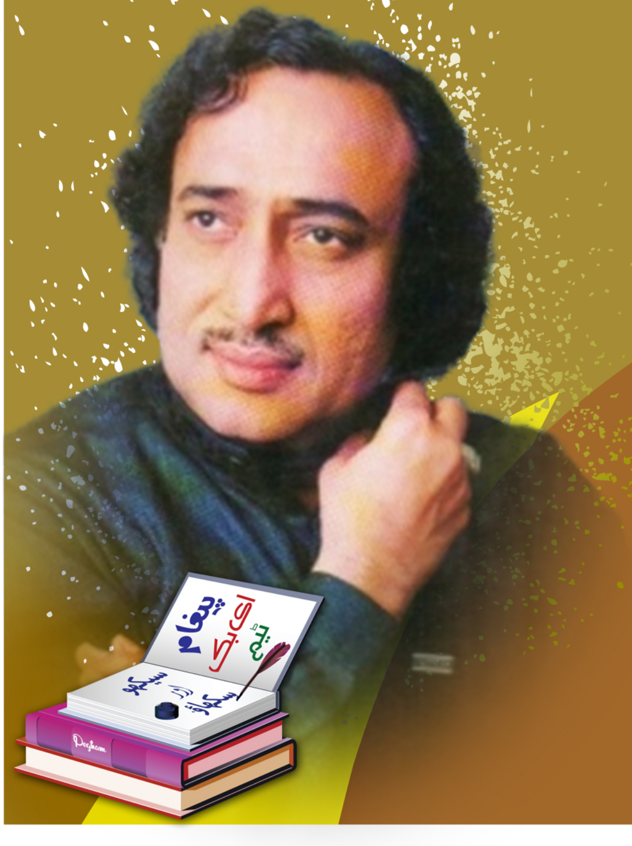

محسن نقوی

بند قبا

محسن نقوی

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا " بند قبا" کھولنا پڑا

جملہ حقوق کتاب کے ناشران کے پاس ہیں۔
یہ محض ایک الیکٹرانک کاپی ہے اور اس کا مقصد محض اردو
ادب کی ترویج و ترقی ہے۔

پیشِ لفظ

السلام علیکم

پیارے دوستو پیغام ای بک سیریز کے سلسلہ کی ایک اور کتاب پیش خدمت ہے۔
اگرچہ انٹرنیٹ پر اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کیلئے کئی ویب سائٹس اپنا حصہ ڈال رہی ہیں اور ہزاروں کی تعداد سے ای بکس اپ لوڈ کر چکی ہیں مگر یہ کتابیں زیادہ تر سکین تصاویر کی صورت میں ہوتی ہیں اور عموماً سکیننگ سے وہ رزلٹ نہیں بن پاتا جو اردو ادب کے شایان شان ہو۔لہذا پیغام ڈاٹ کام نے اس کمی کو دور کرنے کیلئے ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے اب یہ کوشش کس حد تک کامیاب رہی یہ آپ دوستوں کی فیڈ بیک ہمیں بتائے گی۔

کوئی بھی انسان یا انسانی تخلیق کبھی بھی مکمل نہیں ہوتی،سو اس کتاب میں بھی ہزاروں خامیاں موجود ہوں گی،ہم امید کرتے ہیں کہ آپ نشاندہی فرما کر کتاب کو زیادہ خوبصورت اور دیدہ زیب بنانے میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔پیغام انتظامیہ تہہ دِل سے ان تمام دوستوں کی شکر گزار ہے جنہوں نے کتاب کی تیاری کے دوران بھرپور حصہ لیا اور جو بے لوث محبتوں کے ساتھ اردو زبان و ادب کی ترقی کیلئے کوشاں ہیں۔

پیغام انتظامیہ

ترتیب

صفحہ نمبر	غزلیں	نمبر شمار
9	انتساب	1
10	اے فکر کم نشاں مری عظمت کی داد دے	2
11	ہر شاخ سر بریدہ نقیب بہار تھی	3
12	یوں بھی خزاں کا روپ سہانا لگا مجھے	4
13	میں چپ رہا کہ زہر یہی مجھ کو راس تھا	5
14	سایۂ گل سے بہر طور جدا ہو جانا	6
16	میں جلوہ صد رنگ ہوں یا موج صبا ہوں	7
17	آہٹ سے ہوئی تھی نہ کوئی برگ ہلا تھا	8
19	پھیلے گی بہر طور شفق ، نیلی تہوں میں	9
20	منظر یہ دل نشیں تو نہیں دل خراش ہے	10
21	اب کے اس طور سے آنچل کی ہوا دے مجھ کو	11
22	کس نے سنگ خاموشی پھینکا بھرے بازار پر؟	12
23	طے کر نہ سکا زیست کے زخموں کا سفر بھی	13
24	میں زمانے کی روایت کا نمائندہ نہیں	14

صفحہ نمبر	غزلیں	نمبر شمار
25	موسم گل بھی نہیں، تو بھی مرے پاس نہیں	15
26	منسوب تھے جو لوگ مری زندگی کے ساتھ	16
27	صحرا میں بھی خوشبوئے وفا مانگ رہا ہے	17
28	تری آنکھ کو آزمانہ پڑا	18
29	حد سے بڑھنے لگی بدگمانی مری	19
30	کوئی فسونِ طرب زیست کے سفر میں نہیں	20
31	آئینہ در آغوش ہوں، پیمانہ بکف بھی	21
32	بزم یاراں میں کیا گل کھلائے گے	22
33	خود وقت مرے ساتھ چلا وہ بھی تھک گیا	23
34	منظر یہ عجب شہر سے باہر نظر آئے	24
35	زندگی وقفِ خمِ گیسوئے حالات تو ہے	25
36	آپ کی آنکھ سے گہرا ہے مری روح کا زخم	26
37	ہر اک زخم کا چہرہ گلاب جیسا ہے	27
38	نظر میں زخم تبسم چھپا چھپا کے ملا	28
39	ہر نفس درد کے سانچے میں ڈھلا ہو جیسے	29
41	زمانے بھر کی نظر میں جو خدا سا لگے	30
42	نظر کا حسن بھی حسن سے بتاں سے کم تو نہ تھا	31
43	آندھی چلی تو دھوپ کی سانسیں الٹ گئیں	32
44	جو خود اپنی وفا سے شرمائے	33
45	اب وہ طوفاں ہے نہ شور ہواؤں جیسا	34

نمبر شمار	غزلیں	صفحہ نمبر
35	نظر میں کیف نہ تھا، دل میں عکس یار نہ تھا	46
36	جس کی تعظیم ہوئی منزل دانائی تک	47
37	تیری دھن میں محفل آرائی مری	48
38	آپ کی آنکھ میں کچھ رنگ سا بھرنا چاہے	49
39	کس درجہ حسیں تھا مرے ماحول کا غم بھی	50
40	جھیل سی آنکھ تھی کنول نہ ہوئی	51
41	ذہن میں صورت گماں ٹھہری	52
42	سلسلہ پیار کا آغوش در آغوش بھی ہے	53
43	شام کے وقت جام یاد آیا	54
44	یاروں کی خامشی کا بھرم کھولنا پڑا	55
45	اپنے ہی درد کے ماتھے پہ سجایا جاؤں	56
46	شام کے سر پہ آنچل دیکھا	57
47	فصلِ خرد ہے، رنگِ چمن دیکھتے چلو	58
48	خزاں کی دھوپ میں مدت سے جل رہا ہوں میں	59
49	چاندنی رات میں اس پیکر سیماب کے ساتھ	60
50	تہ سے موتی نکال کر دیکھو	61
51	میکدے میں رونق محفل بہت	62
52	یہ اندھیرا، یہ روشنی کیا ہے	63
53	زخم کے پھول سے تسکین طلب کرتی ہے	64
54	یوں تو ہے پرستار زمانہ ترا کب سے	65

نمبر شمار	غزلیں	صفحہ نمبر
55	یوں ہر دے کے شہر میں ترے درد کی لہر چلے	66
56	اِک پاگل سی لڑکی دھوپ میں ہنس ہنس جی بہلائے	67
57	میں بھی اڑوں گا ابر کے شانوں پہ آج سے	68
58	دل جلا کر بھی دلربا نکلے	69
59	تنہا ہے دل تو ذہن کئی محفلوں میں ہے	70
60	محبت پھول ہے پتھر نہیں ہے	71
61	ہنس ہنس کے زندگی کی دعا دے گیا مجھے	72
62	قبول کر لے اس اے جہانِ کہنہ مزاج	73
63	طلوع صبح درخشاں، فروغ حسن بہار	74
64	ان کے اشکوں کو کہاں تک گریہ شبنم کہیں	76
65	قطعات (چاک گریباں)	78

انتساب

نکہتوں سے بھری
عنبریں ساعتوں
یم بہ یم راحتوں
مسکراتی ہوئی صورتوں کیلئے

ہنستے بستے بدن کی
مہکتی ہوئی
صبحوں جیسی کرن کا نچ
برفاب سی مورتوں کیلئے

اس کے نازک نفس
حسن کے نام ہے -- ہر غزل کا کنول

اے فکرِ کم نشاں مِری عظمت کی داد دے
تسلیم کر رہا ہوں میں تیرے وجود کو

اے شورِ حرف و صوت مجھے بھی سلام کر
توڑا ہے میں نے شہرِ غزل کے جمود کو

اے وسعتِ جنوں مِری جرأت پہ ناز کر
میں نے بھلا دیا ہے رسوم و قیود کو

ہر شاخ سر بریدہ نقیبِ بہار تھی
فصلِ خزاں بھی اب کے بڑی باوقار تھی

ہر سنگِ میل پر تھی فصیلیں گڑی ہوئی
شاید وہ رہگزر تیری راہگذار تھی

میں تیری آہٹوں پہ توجہ نہ کر سکا
میری حیات وقفِ غمِ انتظار تھی

آخر سکوں ملا اسے دشتِ نگاہ میں
وہ آرزو جو دل میں غریب الدیار تھی

مجھ کو تیری قسم تری خوشبو کے ساتھ
میری صدا بھی دوشِ ہوا پر سوار تھی

یوں بھی خزاں کا روپ سہانا لگا مجھے
ہر پھول فصلِ گُل میں پرانا لگا مجھے

میں کیا کسی پہ سنگ اُٹھانے کی سوچتا
اپنا ہی جسم آئینہ خانہ لگا مجھے

اے دوست! جھوٹ عام تھا دنیا میں اس قدر
تو نے بھی سچ کہا تو فسانہ لگا مجھے

اَب اُس کو کھو رہا ہُوں بڑے اشتیاق سے
وہ جس کو ڈھونڈنے میں زمانہ لگا مجھے

محسنؔ ہجومِ یاس میں مرنے کا شوق بھی
جینے کا اِک حسین بہانہ لگا مجھے

پیغام
seekho aur sikhao

میں چپ رہا کہ زہر یہی مجھ کو راس تھا
وہ سنگِ لفظ پھینک کر کتنا اداس تھا

اکثر میری قبا پہ ہنسی آ گئی جسے
کل مِل گیا تو وہ بھی دریدہ لباس تھا

میں ڈھونڈتا تھا دور خلاؤں میں اک جسم
چہروں کا اک ہجوم میرے آس پاس تھا

تم خوش تھے پتھروں کو خدا جان کے مگر
مجھ کو یقین ہے وہ تمہارا قیاس تھا

بخشا ہے جس نے روح کو زخموں کا پیرہن
محسنؔ وہ شخص کتنا طبیعت شناس تھا

پیغام seekho aur sikhao

سایہ گل سے بہر طور جدا ہو جانا
راس آیا نہ مجھے موجِ صبا ہو جانا

اپنا ہی جسم مجھے تیشۂ فرہاد لگا
میں نے چاہا تھا پہاڑوں کی صدا ہو جانا

موسمِ گل کے تقاضوں سے بغاوت ٹھہرا
قفسِ غنچہ سے خوشبو کا رہا ہو جانا

قصرِ آواز میں اک حشر جگا دیتا ہے
اس حسیں شخص کا تصویر نما ہو جانا

راہ کی گرد سہی ، مائل پرواز تو ہوں
مجھ کو آتا نہیں نقش کفِ پا ہو جانا

زندگی تیرے تبسم کی وضاحت تو نہیں؟
موجِ طوفاں کا ابھرتے ہی فنا ہو جانا

کیوں نہ اس زخم کو میں پھول سے تعبیر کروں
جس کو آتا ہو "بند قبا" ہو جانا

اشکِ کم گو تجھے لفظوں کی قبا گر نہ ملے
میری پلکوں کی زباں سے ادا ہو جانا

قتل گاہوں کی طرح سرخ ہے رستوں کی جبیں
اک قیامت تھا مرا آبلہ پا ہو جانا

پہلے دیکھو تو سہی اپنے کرم کی وسعت
پھر بڑے شوق سے تم میرے خدا ہو جانا

بے طلب درد کی دولت سے نوازو مجھ کو
دل کی توہین ہے مرہونِ دعا ہو جانا

میری آنکھوں کے سمندر میں اترنے والے
کون جانے تری قسمت میں ہے کیا ہو جانا

کتنے خوابیدہ خوابوں کو جگائے محسنؔ!
جاگتی آنکھ کا پتھرایا ہوا ہو جانا

پیغام seekho aur sikhao

میں جلوہ صد رنگ ہوں یا موج صبا ہوں
احساس کی چوکھٹ پہ کھڑا سوچ رہا ہوں

اک جام تو پی لینے دے اے گردش دوراں
پھر تجھ کو بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں کیا ہوں

تم یاد کرو پہلی ملاقات کی باتیں
میں پہلی ملاقات ذرا بھول گیا ہوں

سو بار زمانے نے مجھے زہر دیا ہے
سو بار میں سچ بول کے سقراط بنا ہوں

اے دوست زمانے کی عنایات پہ مت جا
تو خاک بسر ہے تو میں زنجیر بہ پا ہوں

مانوس شب غم جو نہیں تھا مرا احساس
ہلکی سی اک آہٹ پہ بھی اب چونک پڑا ہوں

ہر اشک یہاں روکش تنویر سحر تھا
ہر زخم یہ کہتا ہے "بند قبا" ہوں

اکثر اسے پا لینے کی امید میں محسنؔ
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بنا ہوں

آہٹ سی ہوئی تھی نہ کوئی برگ ہلا تھا
میں خود ہی سرِ منزلِ شب چیخ پڑا تھا

لمحوں کی فصیلیں بھی مرے گرد کھڑی تھیں
میں پھر بھی تجھے شہر میں آوارہ لگا تھا

تو نے جو پکارا ہے تو بول اٹھا ہوں ، ورنہ
میں فکر کی دہلیز پہ چپ چاپ کھڑا تھا

پھیلی تھیں بھرے شہر میں تنہائی کی باتیں
شاید کوئی دیوار کے پیچھے بھی کھڑا تھا

اب اس کے سوا یاد نہیں جشنِ ملاقات
اک ماتمی جگنو مری پلکوں پہ سجا تھا

یا بارشِ سنگ اب کے مسلسل نہ ہوئی تھی
یا پھر میں ترے شہر کی رہ بھول گیا تھا

اک جلوۂ محبوب سے روشن تھا مرا ذہن
وجدان یہ کہتا ہے وہی میرا خدا تھا

ویراں نہ ہو اس درجہ کوئی موسمِ گل بھی
کہتے ہیں کسی شاخ پہ اک پھول کھلا تھا

اک تو کہ گرایزاں ہی رہا مجھ سے بہر طور
اک میں کہ ترے نقشِ قدم چوم رہا تھا

دیکھا نہ کسی نے بھی مری سمت پلٹ کر
محسنؔ میں بکھرتے ہوئے شیشوں کی صدا تھا

پھیلے گی بہر طور شفق نیلی تہوں میں
قطرے کا لہو بھی ہے سمندر کی رگوں میں

مقتل کی زمیں صاف تھی آئینہ کی صورت
عکسِ رخِ قاتل تھا ہر اک قطرۂ خوں میں

مت پوچھ مری چشمِ تحیر سے کہ مجھ کو
کیا لوگ نظر آئے ہیں دشمن کی صفوں میں

کچھ وہ بھی کم آمیز تھا، تنہا تھا، حسیں تھا
کچھ میں بھی مخل ہو نہ سکا اس کے سکوں میں

ہر صبح کا سورج تھا مرے سائے کا دشمن
ہر شب نے چھپایا ہے مجھے اپنے پروں میں

اب اہلِ خرد بھی ہیں لہو سنگِ جنوں سے
کیا رسم چلی شہر کے آشفتہ سروں سے

جو سجدہ گہِ ظلمت، دوراں رہے محسنؔ
اتری نہ کوئی اندھی کرن ایسے گھروں میں

پیغام seekho aur sikhao

منظر یہ دِل نشیں تو نہیں دِل خراش ہے
دوشِ ہوا پہ ابر برہنہ کی لاش ہے

لہروں کی خامشی پہ نہ جا اے مزاجِ دِل
گہرے سمندروں میں بڑا ارتعاش ہے

سوچوں تو جوڑ لوں کئی ٹوٹے ہوئے مزاج
دیکھوں تو اپنا شیشہ دل پاش پاش ہے

دل وہ غریبِ شہرِ وفا ہے کہ اب جسے
تیرے قریب رہ کے بھی تیری تلاش ہے

آنسو مرے تو خیر وضاحت طلب نہ تھے
تیری ہنسی کا راز بھی دنیا پہ فاش ہے

میرا شعور جس کی جَراحت سے چُور تھا
تیرے بدن پہ بھی اُسی غم کی خراش ہے

محسنؔ تکلّفات کی غارت گری نہ پوچھ
مجھ کو غمِ وفا، تجھے فکرِ معاش ہے

اب کے اس طور سے آنچل کی ہوا دے مجھ کو
جاگتے ذہن کی میراث بنا دے مجھ کو

جو میرے درد کی آواز سمجھ سکتا ہو
اے زمانے کوئی ایسا بھی خدا دے مجھ کو

میں نے سمجھا ہے تجھے منصف دوراں اکثر
میری نا کردہ گناھی کی سزا دے مجھ کو

میں تری راہ میں اک سنگ سبک وزن تو ہوں
دیر کیا لگتی ہے ٹھوکر سے ہٹا دے مجھ کو

کب تلک میرے تصور میں پھرے گا چپ چاپ
تجھ سے ممکن ہو تو کچھ دیر بھلا دے مجھ کو

یہ الگ بات کہ اوجھل ہوں نظر سے ورنہ
میں تیرے پاس ہی رہتا ہوں صدا دے مجھ کو

میں دھڑکتا ہوں تیرے سینے میں دل کی صورت
اے میرے دشمن جاں، اور دعا دے مجھ کو

اف شب غم کا وہ ٹھہرا ہوا لمحہ محسنؔ
جب مرے وہم ہی آہٹ بھی جگا دے مجھ کو

پیغام seekho aur sikhao

کس نے سنگِ خاموشی پھینکا بھرے بازار پر؟
اک سکوتِ مرگ جاری ہے در و دیوار پر

تو نے اپنی زلف کے سائے میں افسانے کہے
مجھ کو زنجیریں ملی ہیں جراتِ اظہار پر

شاخِ عریاں پر کھلا اک پھول اس انداز سے
جس طرح تازہ لہو چمکے نئی تلوار پر

سنگ دل احباب کے دامن میں رسوائی کے پھول
میں نے دیکھا ہے نیا منظر فرازِ دار پر

اب کوئی تہمت بھی وجہ کربِ رسوائی نہیں
زندگی اک عمر سے چپ ہے ترے اصرار پر

میں سرِ مقتل حدیثِ زندگی کہتا رہا
انگلیاں اٹھتی رہیں محسنؔ مرے کردار پر

پیغام seekho aur sikhao

طے کر نہ سکا زیست کے زخموں کا سفر بھی
حالانکہ مِرا دِل تھا شگوفہ بھی شرر بھی

اُترا نہ گریباں میں مقدر کا ستارا
ہم لوگ لٹاتے رہے اشکوں کے گہر بھی

حق بات پہ کٹتی ہیں تو کٹنے دو زبانیں
جی لیں گے مرے یار باندازِ دگر بھی

حیراں نہ ہو آئینہ کی تابندہ فضا پر
آ دیکھ ذرا زخمِ کفِ آئینہ گر بھی

سوکھے ہوئے پتوں کو اُڑانے کی ہوس میں
آندھی نے گرائے کئی سرسبز شجر بھی

وہ آگ جو پھیلی میرے دامن کو جلا کر
اُس آگ نے پھونکا میرے احباب کا گھر بھی

محسنؔ یونہی بدنام ہوا شام کا ملبوس
حالانکہ لہو رنگ تھا دامانِ سحر بھی

seekho aur sikhao

میں زمانے کی روایت کا نمائندہ نہیں
میری دنیا میں کوئی امروز و آئندہ نہیں

تو ہی اپنے جرم کی تعزیر پہ حیرت نہ کر
میں ہی اپنے گھر کی بربادی پہ شرمندہ نہیں

میں تو اس کے دل کی دھڑکن بن گیا ہوں بارہا
وہ حریف جاں سمجھتا ہے کہ میں زندہ نہیں

یا ہوائے دہر میں پنہاں ہے طوفانوں کا زور
یا فصیل جسم کے آثار پائندہ نہیں

آنسوؤں کی لہر میں بہتا ہوا موتی تو ہوں
کیا ہوا گر آپ کی صورت میں تابندہ نہیں

شکر ہے راس آ گیا مجھ کو قناعت کا جہاں
شکر ہے میں قصرِ سلطانی کا کارندہ نہیں

یوں مرے احباب ملتے ہیں مجھے محسنؔ یہاں
جیسے میں اس شہر ناپرساں کا باشندہ نہیں!

پیغام seekho aur sikhao

موسم گل بھی نہیں، تو بھی مرے پاس نہیں
جانے کیوں پھر بھی جنوں وقف غم و یاس نہیں

تو وہ ظالم ہے جو اپنوں کو بھی اغیار کہے
میں وہ پاگل جسے دشمن کا بھی احساس نہیں

شہر دل مجھ کو نہ خوش رہنے کے آداب سکھا
کیا کروں مجھ کو تری آب و ہوا راس نہیں

ذہن اب فکر کی سولی پہ سجائے گا کسے؟
کوئی عنواں بھی سر مقتل احساس نہیں

جان میخانہ ہے وہ رند بلانوش یہاں
تشنہ لب رہ کہ جو کہتا ہے مجھے پیاس نہیں

سوچ کر اس کو سجا اپنے حسیں آنچل پر
میرہ آنسو ہے کوئی ریزہ الماس نہیں

ایک وہ دن کہ ترا جسم تھا میراث مری
ایک یہ دن کہ ترا غم بھی مرے پاس نہیں

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ

یوں تو مَیں ہنس پڑا ہُوں تمہارے لیے مگر
کتنے ستارے ٹوٹ پڑے اِک ہنسی کے ساتھ

فرصت ملے تو اپنا گریباں بھی دیکھ لے
اے دوست یوں نہ کھیل میری بے بسی کے ساتھ

مجبوریوں کی بات چلی ہے تو مئے کہاں
ہم نے پیا ہے زہر بھی اکثر خوشی کے ساتھ

چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا بُرا سلوک میری سادگی کے ساتھ

اِک سجدۂ خلوص کی قیمت فضائے خلد
یا ربّ نہ کر مذاق میری بندگی کے ساتھ

محسنؔ کرم بھی ہو جس میں خلوص بھی
مجھ کو غضب کا پیار ہے اُس دشمنی کے ساتھ

seekho aur sikhao

صحرا میں بھی خوشبوئے صَبا مانگ رہا ہے
دیوانہ بڑے شوق سے کیا مانگ رہا ہے

یارو دِل وحشی کو سنبھالو کہ سرِ بزم
وہ دشمن جاں نذرِ وفا مانگ رہا ہے

جاگی ہُوئی مخلوق ہے سورج کی عناں گیر
سویا ہُوا انسان دعا مانگ رہا ہے

آ دیکھ میرے ذہن کی آوارہ مزاجی
ظالم تیرے آنچل کی ہَوا مانگ رہا ہے

مہتاب کی کرنوں سے سُلگتا ہوا چہرہ
خوابوں میں بھی اندازِ حیا مانگ رہا ہے

انصاف کی زنجیر کو چھیڑو نہ ابھی سے
دیوانہ ابھی اذنِ صدا مانگ رہا ہے

محسنؔ میرا وجدان بنامِ کفِ دلدار
ہر زخم سے کچھ رنگ حنا مانگ رہا ہے

پیغام
seekho aur sikhao

تری آنکھ کو آزمانہ پڑا
مجھے قصۂ غم سنانا پڑا

غمِ زندگی تیری خاطر ہمیں
سرِ دار بھی مسکرانا پڑا

حوادث کی شب اتنی تاریک تھی
جوانی کو ساغر اٹھانا پڑا

مرے دشمنِ جاں ترے واسطے
کئی دوستوں کو بھلانا پڑا

زمانے کی رفتار کو دیکھ کر
قیامت پہ ایمان لانا پڑا

جنہیں دیکھنا بھی نہ چاہے نظر
انہیں سے تعلق بڑھانا پڑا

کئی سانپ تھے قیمتی اس قدر
انہیں آستیں میں چھپانا پڑا

ہواؤں کے تیور جو برہم ہوئے
چراغوں کو خود جھلملانا پڑا

حد سے بڑھنے لگی بدگمانی مری
آپ نے چھیڑ دی پھر کہانی مری

اِک پل کو ٹھہر جا غم دو جہاں
مشورہ چاہتی ہے جوانی مری

سنگ دل دوستوں کے حسیں شہر میں
کام آئی بہت سخت جانی مری

خلقت شہر دہرائے گی دیر تک
نغمہ جاں ترا، نوحہ خوانی مری

چیخ اٹھے بام و در، بول اٹھی چاندنی
جب بھی حد سے بڑھی بے زبانی مری

پیغام seekho aur sikhao

کوئی فسونِ طرب، زیست کے سفر میں نہیں
تمہارا عکس بھی آئینہ نظر میں نہیں

شبِ وفا کا مسافر بھٹک نہ جائے کہیں
چراغِ اشک بھی دامانِ رہگذر میں نہیں

گراں نہ گزرے تو میری شبِ غریب سے مانگ
وہ روشنی وہ کرن جو تری سحر میں نہیں

زمیں کی پست فضاؤں میں رہ سکو تو رہو
کہ آسماں کی رفعت تو میرے گھر میں نہیں

تو پھول ہے تو کسی شبنمی روش پہ مہک
ترا مقام نمائشِ دلِ شرر میں نہیں

خرد وروں نے تعصب کہا جسے محسنؔ
خدا کا شکر ہے وہ درد میرے سر میں نہیں

آئینہ درآغوشِ ہوں، پیمانہ بکف بھی
اے دشمنِ جاں دیکھ ذرا میری طرف بھی

دل شورشِ پیہم ہے نظر وقفِ خاموشی
میں رونقِ طوفاں بھی ہوں ساحل کا شرف بھی

اکثر مجھے اغیار کے انبوہ رواں میں
شامل نظر آئی مرے احباب کی صف بھی

اے دوست ترے بعد سر کوئے تمنا
ہم لوگ رہے سنگِ ملامت کا ہدف بھی

تو جنسِ خرد لے کے بکھر جا کہیں ورنہ
آئے گا کوئی سنگِ جنوں تیری طرف بھی

محسنؔ میں فقط خاکِ شفا پر نہیں نازاں
سجدوں کو میسر ہے درِ شاہِ نجف بھی

seekho aur sikhao

بزم یاراں میں کیا گل کھلائے گے
ہر قبا پر ستارے سجائے گئے

اتفاقاً کوئی قصر تاریک تھا
انتقاماً کئی گھر جلائے گئے

جن کی لو خنجروں سے ذرا تیز تھی
وہ دیے شام ہی سے بجھائے گئے

اپنی صورت بھی اِک وہم لگتی ہے اب
اتنے آئینے مجھ کو دکھائے گئے

شہر دل پر مسلط رہیں ظلمتیں
دشت ہستی میں سورج اگائے گئے

کیا غضب ہے کہ جلتے ہوئے شہر میں
بجلیوں کے فضائل سنائے گئے

دل وہ بازار ہے جانِ محسنؔ جہاں
کھوٹے سکے بھی اکثر چلائے گئے

seekho aur sikhao

خود وقت میرے ساتھ چلا وہ بھی تھک گیا
میں تیری جستجو میں بہت دور تک گیا

کچھ اور ابر چاند کے ماتھے پہ جھک گئے
کچھ اور تیرگی کا مقدر چمک گیا

کل جس کے قُرب سے تھی گریزاں مری حیات
آج اُس کے نام پر بھی مرا دِل دھڑک گیا

میں سوچتا ہوں شہر کے پتھر سمیٹ کر
وہ کون تھا جو راہ کو پھولوں سے ڈھک گیا

دشمن تھی اُس کی آنکھ، جو میرے وجود کی
میں حرف بن کے اُس کی زباں پر اٹک گیا

اب کوئی سنگ پھینک کہ چمکے کوئی شرر
میں شہرِ آرزو میں اچانک بھٹک گیا

مت پوچھ فکرِ زیست کی غارت گری کا حال
احساس برف تھا لیکن بھڑک گیا

احباب جبرِ زیست کے زنداں میں قید تھے
محسنؔ میں خود صلیبِ غزل پر لٹک گیا

منظر یہ عجب شہر سے باہر نظر آئے
سایہ بھی مجھے راہ کا پتّھر نظر آئے

کس قریہ میں اب اپنی خموشی کو چھپاؤں
ہر موڑ پہ ہنگامۂ محشر نظر آئے

سوچوں تو مری دشمن جاں وسعتِ آفاق
دیکھوں تو یہ زِنداں بھی مرا گھر نظر آئے

میں فکر کے مہتاب پہ پہنچا تو زمیں پر
مجھ کو کئی ذرے مہ و اختر نظر آئے

کچھ لوگ جو منسوب رہے شیشہ گروں سے
آئینے میں وہ خود کو سکندر نظر آئے

میں جاگتی آنکھوں میں جسے ڈھونڈھنا چاہوں
وہ شخص مجھے خواب میں اکثر نظر آئے

محسنؔ مرے افکار کی وسعت پہ نہ جاؤ
دشمن بھی مجھے اپنے برابر نظر آئے

پیغام seekho aur sikhao

زندگی وقف خم گیسوئے حالات تو ہے
اپنی قسمت میں سحر ہو کہ نہ ہو رات تو ہے

ورنہ یوں راس نہ آتے مجھے ویراں لمحے
سوچتا ہوں کہ تیرے غم میں کوئی بات تو ہے

اس لئے دار کی ٹہنی پہ بھی خاموش ہوں میں
خاموشی کچھ بھی نہ ہو مقتل نغمات تو ہے

تجربہ کچھ بھی ہو دل اس سے بہل جائے گا
ایک لمحے کو سہی ان سے ملاقات تو ہے

اے زمانے تری تجدید بجا ہے لیکن
تو بھی منجملہ ارباب روایات تو ہے

وقت کے جبر نے بخشے ہیں کئی زخم مگر
آدمی منتظر روز مکافات تو ہے

کیوں نہ اس سے میں سجا لوں غم ہستی محسنؔ
میرے اشعار میں کچھ عکس غم ذات تو ہے

پیغام seekho aur sikhao

آپ کی آنکھ سے گہرا ہے میری روح کا زخم
آپ کیا سوچ سکیں گے میری تنہائی کو

میں تو دم توڑ رہا تھا مگر افسردہ حیات
خود چلی آئی میری حوصلہ افزائی کو

لذتِ غم کے سوا تیری نگاہوں کے بغیر
کون سمجھا ہے میری زخم کی گہرائی کو

میں بڑھاؤں گا تری شہرتِ خوشبو کا نکھار
تو دعا دے مرے افسانہ رسوائی کو

وہ تو یوں کہئے کہ اک قوسِ قزح پھیل گئی
ورنہ میں بھول گیا تھا تری انگڑائی کو

ہر اک زخم کا چہرہ گُلاب جیسا ہے
مگر یہ جاگتا منظر بھی خواب جیسا ہے

یہ تلخ تلخ سا لہجہ یہ تیز تیز سی بات
مزاجِ یار کا عالم شراب جیسا ہے

مرا سخن بھی چمن در چمن سخن کی پھوار
ترا بدن بھی مہکتے گلاب جیسا ہے

بڑا طویل نہایت حسین بہت مبہم
میرے سوال تمھارے جواب جیسا ہے

تو زندگی کے حقائق کی تہ میں یو نہ اُتر
کہ اس ندی کا بہاؤ چناب جیسا ہے

تیری نظر ہی نہیں حرف آشنا ورنہ
ہر اک چہرہ یہاں پر کتاب جیسا ہے

چمک اُٹھے تو سمندر بجھے تو ریت کی لہر
میری خیال کا دریا سراب جیسا ہے

تیرے قریب بھی رہ کر نہ پا سکوں تجھ کو
تیرے خیال کا جلوہ حباب جیسا ہے

نظر میں زخم تبسم چھپا چھپا کے ملا
خفا تو تھا وہ مگر مجھ سے مسکرا کے ملا

وہ ہمسفر کے میرے طنز پے ہنستا تھا بہت
ستم ظریف مجھے آئینہ دکھا کے ملا

میرے مزاج پے حیران ہے زندگی کا شعور
میں اپنی موت کو اکثر گلے لگا کے ملا

میں اس سے مانگتا کیا خون بہا جوانی کا
کہ وہ بھی آج مجھے اپنا گھر لٹا کے ملا

میں جس کو ڈھونڈ رہا تھا نظر کے رستے میں
مجھے ملا بھی تو ظالم نظر جھکا کے ملا

میں زخم زخم بدن لے کے چل دیا محسنؔ
وہ جب بھی اپنی قبا پر کنول سجا کے ملا

ہر نفس درد کے سانچے میں ڈھلا ہو جیسے
زیست نا کردہ گناہوں کی سزا ہو جیسے

لے گئی یُوں مجھے خوابوں کے جزیروں کی طرف
نکہت گُل ترے آنچل کی ہوا ہو جیسے

ظُلمتِ شامِ الم مُجھ سے گُریزاں ہے ابھی
اک ستارا مری پلکوں میں چھپا ہو جیسے

تیری زلفیں بھی پریشاں ہیں مرے دل کی طرح
تو بھی کچھ دیر مرے ساتھ رہا ہو جیسے

میں تیرے سائے سے بچ بچ کے چلا ہوں اکثر
میری منزل تیری منزل سے جُدا ہو جیسے

پھول مانگوں تو عطا کرتے ہیں زخموں کے کنول
اب یہی شیوہ ء اربابِ وفا ہو جیسے

یُوں مری آنکھ سے اوجھل وہ رہا ہے اکثر
اس کا پیکر مرے خوابوں میں ڈھلا ہو جیسے

چاندنی اپنے تقدس پہ ہے نازاں اتنی
مریم شب کی خطا پوش ردا ہو جیسے

آج پھر اُن سے ملاقات ہوئی ہے محسنؔ
آج پھر دل پہ کوئی زخم لگا ہو جیسے

زمانے بھر کی نگاہوں میں جو خدا سا لگے
وہ اجنبی ہے مگر مجھ کو آشنا سا لگے

نجانے کب مِری دنیا میں مُسکرائے گا
وہ ایک شخص کہ خوابوں میں بھی خفا سا لگے

عجیب چیز ہے یارو یہ منزلوں کی ہوس
کہ راہزن بھی مسافر کو رہنما سا لگے

دِلِ تباہ! تِرا مشورہ ہے کیا کہ مجھے
وہ پھول رنگ ستارہ بھی بے وفا سا لگے

ہُوئی ہے جس سے منور ہر ایک آنکھ کی جھیل
وہ چاند آج بھی محسنؔ کو کم نما سا لگے

پیغام
seekho aur sikhao

نظر کا حُسن بھی حُسنِ بُتاں سے کم تو نہ تھا
میرا یقیں بھی تمھارے گُماں سے کم تو نہ تھا

مزاجِ عظمتِ آدم کی بات ہے، ورنہ
زمیں کا ظلم تیرے آسماں سے کم تو نہ تھا

گزر رہا تھا جہاں سے میں سنگدل بن کر
وہ موڑ شیشہ گروں کی دکاں سے کم تو نہ تھا

نہ جانے کیوں تیری آنکھیں خاموش تھیں، ورنہ
دلِ غریب کا نغمہ فُغاں سے کم تو نہ تھا

راہِ جنوں کے نشیب و فراز میں محسنؔ
خرد کا پھول بھی سنگِ گراں سے کم تو نہ تھا

آندھی چلی تو دھوپ کی سانسیں الٹ گئیں
عریاں شجر کے جسم سے شاخیں لپٹ گئیں

دیکھا جو چاندنی میں گریبانِ شب کا رنگ
کرنیں پھر آسمان کی جانب پلٹ گئیں

میں یاد کر رہا تھا مقدر کے حادثے!
میری ہتھیلیوں پہ لکیریں سمٹ گئیں

مٹی کے معجزے رہے مرہونِ کارواں
پانی کی خواہشیں تھیں کہ لہروں میں بٹ گئیں

آسانیوں کی بات نہ کر اے حریفِ زیست
ان مشکلوں کو دیکھ جو رستے سے ہٹ گئیں

پیغام seekho aur sikhao

جو خود اپنی وفا سے شرمائے
دِل اُسی آشنا سے ڈر جائے

اُڑ رہی ہے فضا میں تنہائی
کوئی آنکھوں کا جال پھیلائے

بند ہیں مہوشوں کے دروازے
چاندنی آج کس کے گھر جائے؟

منزلوں کا نشاں نہیں ملتا
ہم بڑی دور سے پلٹ آئے

میرے اِحساس کے الاؤ میں
کاش میرا شعور جل جائے

وہ خدا ہے تو روٹھتا کیوں ہے؟
آدمی ہے تو سامنے آئے

فکر کے آسمان پر محسنؔ
سینکڑوں آفتاب گہنائے

اب وہ طوفاں ہے نہ وہ شور ہواؤں جیسا
دِل کا عالم ہے ترے بعد، خلاؤں جیسا

کاش دنیا مرے احساس کو واپس کر دے
خامشی کا وہی انداز صداؤں جیسا

پاس رہ کر بھی ہمیشہ وہ بہت دور ملا
اس کا انداز تغافل تھا خداؤں جیسا

کتنی شدت سے بہاروں کو تھا احساس مآل
پھول کھل کر بھی لگا زرد خزاؤں جیسا

کیا قیامت ہے کہ دنیا اسے سردار کہے
جس کا انداز سخن بھی ہو گداؤں جیسا

پھر تری یاد کے موسم نے جگائے محشر
پھر مرے دل میں اٹھا شور ہواؤں ج

بارہا خواب میں پا کر مجھے پیاسا محسنؔ
اس کی زلفوں نے کیا رقص گھٹاؤں جیسا

نظر میں کیف نہ تھا، دل میں عکسِ یار نہ تھا
مرا جنوں کبھی شرمندہ بہار نہ تھا

یہ واقعہ ہے کہ گلشن میں پھول کھلتے رہے
یہ حادثہ ہے کہ دامن میں کوئی تار نہ تھا

خطا معاف میں شیشوں کی تہہ میں ڈوب گیا
مجھے حضور کی آنکھوں پہ اعتبار نہ تھا

امیر شہر نے الزام دھر دیئے ورنہ
غریب شہر کچھ اتنا گناہگار نہ تھا

ہم ان کے چاک گریباں کو کیا رفو کرتے
ہمیں خود اپنے گریباں پہ اختیار نہ تھا

مرے دکھوں سے ہوئے جس کے قہقہے منسوب
وہ آدمی بھی مرے غم میں سوگوار نہ تھا

میں سوچتا ہوں بھلا کس طرح سے گذری ہے
وہ ایک شب کہ تمہارا بھی انتظار نہ تھا

مجھے فضائے چمن راس ہی نہ تھی محسنؔ
کہ نکہتوں کا سفر اتنا خوشگوار نہ تھا

جس کی تعظیم ہوئی منزل دانائی تک
لوگ کہتے ہیں اسے آج بھی سودائی تک

ایک ہی رنگ تھا جذبات کی طغیانی کا
موسم گل سے ترے جسم کی انگڑائی تک

بام شہرت پہ تو پوجا ہے مجھے لوگوں نے مگر
ساتھ آیا نہ کوئی کوچہ رسوائی تک

وہ تری آنکھ ہو یا سنگ ملامت کی چبھن
کون پہنچا ہے مرے زخم کی گہرائی تک

میں نے جس شخص کو خوابوں میں تراشا محسنؔ
لوگ کہتے ہیں اسی شخص کو ہرجائی تک

تیری دھن میں محفل آرائی مری
کس قدر دلکش ہے تنہائی مری

کاش تو سمجھے کبھی اس راز کو
تیرے جلووں میں ہے رعنائی مری

اجنبی ہیں جو خود اپنی ذات سے
ہوگئی ان سے شناسائی مری

آپ کے دشمن ہوں مصروف ملال
اتفاقاً آنکھ بھر آئی مری

تو بھی دیکھ اب اس بہانے سے مجھے
ایک خلقت ہے تماشائی مری

کیوں وہ ظالم دیر تک روتا رہا
کون سی بات اس کو یاد آئی مری

دشت بھی مہکا ہے گلشن کی طرح
رنگ لائی ہے آبلہ پائی مری

جانِ محسن تیری شہرت کی قسم
دور تک پہنچی ہے رسوائی مری

آپ کی آنکھ میں کچھ رنگ سا بھرنا چاہے
دِل بھی خوابوں کے جزیروں سے گزرنا چاہے

کتنا دِلکش ہے شبِ غم کی خموشی کا فسوں
زندگی آپ کی آہٹ سے بھی ڈرنا چاہے

میں لہو بن کے تیرے رنگِ قبا سے اُلجھوں
تو شفق بن کے میرے رخ پہ بکھرنا چاہے

جشنِ نوروز ہو یا شامِ غریباں کا سکوت
دِل ہر اِک خوف کی منزل سے گزرنا چاہے

روٹھ جانا تو نمائش ہے سراسر وَرنہ
زندگی یُوں بھی تیری بات پہ مرنا چاہے

یہ الگ بات کہ آنکھوں نے اُسے دیکھ لیا
ورنہ وہ عکس میرے دِل میں اُترنا چاہے

میری تقدیر کی صورت میرے اشکوں کی طرح
وہ حسیں شخص بہر حال سنورنا چاہے

دِن کی تقدیر کا حاصل بھی وہی ہے محسنؔ
اِک ستارا جو سرِ شام اُبھرنا چاہے

کس درجہ حسیں تھا مرے ماحول کا غم بھی
میں بھول گیا آپ کا اندازِ ستم بھی

الجھے ہوئے لمحات کے تاریک سفر میں
آتے ہیں بہت یاد تری زلف کے خم بھی

اک لمحہ تو دم لینے دے آغوشِ سکوں میں
اے گردشِ حالات کسی موڑ پہ تھم بھی

پلکوں پہ سجائے ہوئے زخموں کے نگینے
گزریں گے کسی روز ترے شہر سے ہم بھی

کیوں درد کی قندیل جلائے کوئی دل میں
حالات کی تلخی تو زیادہ بھی ہے کم بھی

منظر تو ذرا دیکھئے رسوائیِ فن کا
بکنے لگے بازار میں اربابِ قلم بھی

کچھ دیر تو پھوٹا ہے لہو میری جبیں سے
کچھ دیر تو چمکے گا ترا سنگِ حرم بھی

اک عمر جسے ذہن نے پوجا ہے بہر طور
محسنؔ وہ ستم کیش خدا بھی تھا صنم بھی

جھیل سی آنکھ تھی کنول نہ ہوئی
مجھ سے پھر آج بھی غزل نہ ہوئی

زندگی تھی مرے مزاج کی لہر
وہ ترے گیسوؤں کا بل نہ ہوئی

آپ کے بعد مجھے ہوش آیا
یہ خطا مجھ سے برمحل نہ ہوئی

آپ بھی ایک مہ جبیں ٹھہرے
آپ کی بات بھی اٹل نہ ہوئی

صرف میرے جہاں میں اے محسنؔ
عاشقی ذہن کا خلل نہ ہوئی

پیغام seekho aur sikhao

ذہن میں صورت گماں ٹھہری
وہ نظر اس طرح کہاں ٹھہری؟

ہم نے جو بے خودی میں کہہ ڈالی
بات وہ زیب داستاں ٹھہری

پھول مانگو تو زخم دیتے ہیں
اب یہی رسم دوستاں ٹھہری

چاند کو دیکھ کر وہ یاد آئے
چاندنی میری ہم زباں ٹھہری

خواہشوں میں بکھر گئی محسنؔ
دوستی جنس رائیگاں ٹھہری

seekho aur sikhao

سلسلہ پیار کا آغوش در آغوش بھی ہے
معجزہ یہ ہے کہ تھوڑا سا مجھے ہوش بھی ہے

میری تخلیق میرے جرم کی تعزیر سہی
زندگی غور تو کر اس میں تیرا دوش بھی ہے

بے جھجک پیتا چلا جائے اور فاش نہ ہو
مے کشو تم میں کوئی ایسا بلا نوش بھی ہے

شیخ چہکا ہے جو منبر پہ ذرا سی پی کر
اس کی تقریر میں جدت ہی نہیں جوش بھی ہے

آ غم زیست تجھے مے سے گلابی کر دوں
رنگ بھی فق ہے تیرا آج تو خاموش بھی ہے

چند احباب مجھے یاد رہیں گے محسنؔ
ان میں شامل وہ مرا زود فراموش بھی ہے

پیغام seekho aur sikhao

شام کے وقت جام یاد آیا
کتنا دلچسپ کام یاد آیا

جب بھی دیکھا کوئی حسیں چہرہ
مجھ کو تیرا سلام یاد آیا

سن کے قصے خدا کی عظمت کے
آدمی کا مقام یاد آیا

دیکھ کر جھومتی گھٹاؤں کو
ان کی زلفوں کا نام یاد آیا

بنسری کی نوا کو تیز کرو
آج رادھا کو شیام یاد آیا

رقص طاؤس دیکھ کر اکثر
کوئی محشر خرام یاد آیا

صحن مسجد میں بھی ہمیں محسنؔ
میکدے کا قیام یاد آیا

یاروں کی خامشی کا بھرم کھولنا پڑا
اتنا سکوت تھا کہ مجھے بولنا پڑا

صرف ایک تلخ بات سنانے سے پیشتر
کانوں میں پھول پھول کا رس گھولنا پڑا

اپنے خطوں کے لفظ جلانے پڑے مجھے
شفاف موتیوں کو کہاں رولنا پڑا

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا "بند قبا" کھولنا پڑا

سنتے تھے اس کی بزم سخن ناشناس ہے
محسنؔ ہمیں وہاں پہ بھی سخن تولنا پڑا

اپنے ہی درد کے ماتھے پہ سجایا جاؤں
خون مزدور ہوں بے وجہ بہایا جاؤں

مجھ کو جلنے دے سر طاق شب ہجر کہ میں
تیرے دامن کی ہوا سے نہ بجھایا جاؤں

آرزو مجھ سے الجھتی ہے زلیخا کی طرح
میں بھی یوسف ہوں تو بازار میں لایا جاؤں

اپنے افکار کو پستی سے بچانے کیلئے
آسمانوں کی بلندی سے گرایا جاؤں

یاد آؤں گا تجھے ذہن کی ہر منزل پر
حرف سادہ تو نہیں ہوں کہ بھلایا جاؤں

عمر بھر ذہن میں چمکا نہ کوئی فکر کا چاند
چاندنی اب ترے شعلوں میں جلایا جاؤں

میرے محسنؔ مرے افکار کی تخصیص نہ کر
عکس آئینہ ہوں ہر دل پہ گرایا جاؤں

شام کے سر پر آنچل دیکھا
ہم نے جلتا جنگل دیکھا

اپنی آنکھ میں آنسو پائے
اُن کی آنکھ میں کاجَل دیکھا

پھول نظر میں رقصاں رقصاں
جانے کِس کا آنچل دیکھا

من کے بَن میں خاک اُڑتی تھی
آج وہاں پر جل تھل دیکھا

جب بھی دیکھا ہے محسنؔ کو
تیرے پیار میں پاگل دیکھا

فصلِ خرد ہے، رنگِ چمن دیکھتے چلو
پھر اہتمام دار و رسن دیکھتے چلو

دلچسپ واقعہ ہے کہ صحرا کی دھوپ میں
ذروں کا جل رہا ہے بدن دیکھتے چلو

تنقید مت کرو کہ زمانہ خراب ہے
چپ چاپ دوستوں کا چلن دیکھتے چلو

محسنؔ شب سیاہ بھی اوڑھے ہوئے ہے آج
شفاف چاندنی کا کفن دیکھتے چلو

seekho aur sikhao

خزاں کی دھوپ میں مدت سے جل رہا ہوں میں
بنا تھا برف کا پیکر، پگھل رہا ہوں میں

مرے شعور پہ اب اور کوئی ظلم نہ کر
یہ ظلم کم ہے تیرے ساتھ چل رہا ہوں میں

مرے مزاج کے دشمن میری شکست بھی دیکھ
بصد خلوص تیری لے میں ڈھل رہا ہوں میں

مرے شعور کی لغزش پہ بدگمان نہ ہو
مجھے یقین ہے ظالم، سنبھل رہا ہوں میں

مری نگاہ نہ بدلی، رخ ہوا کی طرح
خود اپنے ذہن کی صورت اٹل رہا ہوں میں

چاندنی رات میں اس پیکرِ سیماب کے ساتھ
میں بھی اُڑتا رہا اک لمحۂ بے خواب کے ساتھ

کس میں ہمت ہے کہ بدنام ہو سائے کی طرح
کون آوارہ پھرے جاگتے مہتاب کے ساتھ

آج کچھ زخم نیا لہجہ بدل کر آئے
آج کچھ لوگ نئے مل گئے احباب کے ساتھ

سینکڑوں ابر اندھیرے کو بڑھائیں گے لیکن
چاند منسوب نہ ہو کرمکِ شب تاب کے ساتھ

دل کو محروم نہ کر عکسِ جنوں سے محسنؔ
کوئی ویرانہ بھی ہو قریۂ شاداب کے ساتھ

seekho aur sikhao

تہ سے موتی نکال کر دیکھو
تم سمندر کھنگال کر دیکھو

غم خوشی سے حسین ہوتا ہے
خود کو اس میں ڈھال کر دیکھو

کتنی پاکیزہ ہے جہاں کی نظر
اپنا آنچل سنبھال کر دیکھو

یوں ہی شاید فضا نکھر جائے
کوئی ساغر اچھال کر دیکھو

لوگ کہتے ہیں وہ ہے لکھ داتا
تم بھی محسنؔ سوال کر دیکھو

میکدے میں رونق محفل بہت
ہے میرا ساقی کشادہ دل بہت

ہم پرکھتے کیا مزاج زندگی؟
تھا مزاجِ رنگ و آب گل بہت

راہ کے پتھر کو منزل مت کہو
دور ہے یارو! ابھی منزل بہت

کس قدر حساس ہوں طوفاں میں بھی
سن رہا ہوں شورش ساحل بہت

تیرگی میں وہ نظر آئیں گے کیا؟
چاندنی راتوں میں ان سے مل بہت

دامن حاتم کی وسعت دیکھئے
آج خالی ہاتھ ہیں سائل بہت

تیرا آنچل ہی نہ لہرایا کہیں
یوں تو آئے تھے نظر محمل بہت

سر ہتھیلی پر لئے بڑھتے رہو
کوئے رسوائی میں ہیں قاتل بہت

یہ اندھیرا یہ روشنی کیا ہے؟
آؤ سوچیں کہ زندگی کیا ہے ؟

ہر قدم پر فریب دیتے ہو
بندہ پرور! یہ دوستی کیا ہے؟

اپنے دامان تار تار کو دیکھ
مجھ سے مت پوچھ آگہی کیا ہے؟

آ مجھے اپنے شہر میں لے چل
اے مری موت سوچتی کیا ہے؟

چاند پہ جا کے ہم بھی سوچیں گے
یہ سہانی سی چاندنی کیا ہے؟

وقفِ زہراب درد ہو جانا
اور معیار مے کشی کیا ہے؟

دِل صداؤں میں کھو گیا محسنؔ
میں نے پوچھا تھا خامشی کیا ہے؟

زخم کے پھول سے تسکین طلب کرتی ہے
بعض اوقات مری روح غضب کرتی ہے

جو تری زُلف سے اُترے ہُوں مرے آنگن میں
چاندنی ایسے اندھیروں کا اَدب کرتی ہے

اپنے انصاف کی زنجیر نہ دیکھو کہ یہاں
مُفلسی ذہن کی فریاد بھی کب کرتی ہے؟

صحنِ گلشن میں ہواؤں کی صدا غور سے سُن
ہر کلی ماتمِ صدجشنِ طرب کرتی ہے

صرف دن ڈھلنے پہ موقوف نہیں ہے محسنؔ
زندگی زُلف کے سائے میں بھی شب کرتی ہے

پیغام seekho aur sikhao

یوں تو ہے پرستار زمانہ ترا کب سے
پوجا ہے مگر ہم نے تجھے اور ہی ڈھب سے

اُس آنکھ نے بخشی ہے وہ تاثیر کہ اب تک
ملتی ہے ہمیں گردشِ دوراں بھی ادب سے

یاروں کی نگاہوں میں بصیرت نہ تھی ورنہ
پھوٹی ہے کئی بار سحر دامنِ شب سے

وہ گل جو گریباں میں سجائے تھے کسی نے
وہ گُل ہوئے منسوب تری سرخیٔ لب سے

پلکوں پہ شرر، لب پہ دعا، دل میں ستارے
نکلا ہے کوئی یوں بھی تری بزمِ طرب سے

اُبھرے بھی صدا کوئی کسی شہرِ سکوں میں
ہم منتظرِ نغمہ و فریاد ہیں کب سے

احباب کے ہر طنز پہ سر خم کیا میں نے
محسنؔ مجھے شکوہ ہے فقط خوئے طلب سے

یوں ہردے کے شہر میں ترے درد کی لہر چلے
جیسے اِک دیہات کی گوری گیت الاپے شام ڈھلے

دور افق پر پھیل گئی ہے کاجل کاجل تاریکی
پاگل پاگل تاریکی میں کس کی آس کا دیپ جلے

چاندنگر کے اوتاروں کو کون بھلا سمجھائے گے
کتنی یادیں سلگ رہی ہیں ارمانوں کی راکھ تلے

جب بھی کومل پھول کھلے ہیں سانجھ سویرے گلشن میں
مَن میں کتنی آگ لگی ہے دل پر کتنے تیر چلے

جس کی صورت اجلی اجلی من تاریک سمندر ہو
ایسے یار کے پیار سے محسنؔ صحراؤں کے ناگ بھلے

اِک پاگل سی لڑکی دھوپ میں ہنس ہنس جی بہلائے
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ٹھوکر کھا کھا جائے

نرم نرم سا بستر اس کا گرم گرم سے ہونٹ
شرم شرم سے مرتی جائے جب بھی رین سجائے

یاس کی آندھیاری نگری میں آس کا جوبن دیکھو
جیسے دور کھڑی اِک گوری گھونگھٹ میں مسکائے

زخم زخم میں اس کی یادیں، بھول بھول کے آئیں
پھول پھول میں اس کا چہرہ، اپنی چھب دکھلائے

اوڑھ کے اجلی دھوپ کی چادر چاند نگر کی چھوری
دور کھڑی مسکائے گوری میرے پاس نہ آئے

seekho aur sikhao

مَیں بھی اُڑوں گا ابر کے شانوں پہ آج سے
تنگ آ گیا ہُوں تشنہ زمیں کے مزاج سے

مَیں نے سیاہ لفظ لکھے دِل کی لَوح پر
چمکے گا درد اور بھی اِس اِمتزاج سے

انساں کی عافیت کے مسائل نہ چھیڑیئے
دنیا اُلجھ رہی ہے ابھی تخت و تاج سے

گنگا تو بہہ رہی ہے مگر ہاتھ خُشک ہیں
بہتر ہے خُودکشی کا چلن اِس رِواج سے

تم بھی میرے مزاج کی لے میں نہ ڈھل سکے
اُکتا گیا ہُوں میں بھی تمہارے سماج سے!

دل جلا کر بھی دلربا نکلے
میرے احباب کیا سے کیا نکلے

آپ کی جستجو میں دیوانے
چاند کی رہگزر پہ جا نکلے

سوز ہستی ہی جب نہیں باقی
ساز ہستی سے کیا صدا نکلے

دیکھیئے کارواں کی خوش بختی
چند رہزن بھی رہنما نکلے

یوں تو پتھر ہزار تھے لیکن
چند گوہر ہی بے بہا نکلے

دل بھی گستاخ ہو چلا تھا بہت
شکر ہے آپ بے وفا نکلے

کس کی دہلیز پر جھکیں محسنؔ
جتنے انساں تھے سب خدا نکلے

seekho aur sikhao

تنہا ہے دل تو ذہن کئی محفلوں میں ہے
یعنی مری حیات بڑی مشکلوں میں ہے

جُگنو کو دن کا شہر نہ راس آسکا تو کیا؟
سُورج کا گھر بھی شب کے گھنے جنگلوں میں ہے

فرصت ملے تو اپنی سماعت پہ غور کر
میرے غموں کی لے بھی تیرے قہقہوں میں ہے

جس کو تلاش کرتی ہیں آوارہ منزلیں
کس کو خبر وہ قافلہ کن راستوں میں ہے

رختِ سفر لٹا کے بھی رہرو ہیں مطمئن
کتنی کشش جنوں کی حسیں منزلوں میں ہے

پتوں پہ جم گئی ہے کئی موسموں کی گرد
شاخوں کا جسم لپٹا ہو چادروں میں ہے

محسنؔ کسی کا عکس ہے اشکوں میں وقتِ صُبح
یا صاف آئینے کا بدن پانیوں میں ہے

محبت پھول ہے ، پتھر نہیں ہے
مجھے رسوائیوں کا ڈر نہیں ہے

ستارے، چاند، مے، پھول، خوشبو
کوئی شے آپ سے بڑھ کر نہیں ہے

زمانے سے نہ کھل کے گفتگو کر
زمانے کی فضا بہتر نہیں ہے

مرا رستہ یونہی سنسان ہو گا
مرے رستے میں تیرا گھر نہیں ہے

مجھے وحشت کا رتبہ دینے والے
ترے ہاتھوں میں کیوں پتھر نہیں ہے

محبت ادھ کھلی کلیوں کو رس ہے
محبت زہر کا ساغر نہیں ہے

نظر والو! چمک پر مر رہے ہو
ہر اک پتھر یہاں گوہر نہیں ہے

کہاں ہیں آجکل احباب محسنؔ
صلیب و دار کا منظر نہیں ہے

ہنس ہنس کے زندگی کی دعا دے گیا مجھے
وہ شخص بھی عجیب سزا دے گیا مجھے

سُوکھے ہُوئے شجر کی برہنہ سی شاخ پر
دو پنچھیوں کا رقص مزا دے گیا مجھے

دَم گھٹ رہا تھا ذہن کی جلتی فضاؤں میں
جھونکا تیرے نفس کا ہَوا دے گیا مجھے

لمحوں کے اِس ہجوم میں مقتل کے موڑ پر
میں سوچتا ہُوں کون صدا دے گیا مجھے

میں جاگتے دِنوں میں چھپاتا کہاں بدن؟
وہ بھیگتی شبوں کی رِدا دے گیا مجھے

اِک برگِ زرد خشک سی ٹہنی سے ٹوٹ کر
آوارہ منزلوں کا پتہ دے گیا مجھے

میرے بدن پہ کتنا پُرانا لباس تھا
تیرا مزاج رنگ نیا دے گیا مجھے

پیغام seekho aur sikhao

قبول کر لے اس اے جہانِ کہنہ مزاج
میں دے رہا ہوں تجھے اِک نئی غزل کا مزاج

غریب شہر کی عصمت نہ بک رہی ہو کہیں
عجیب شور سنا ہے فصیل شہر پہ آج

تم اپنے ذہن کی تنہائیوں میں چھپ جاؤ
کہ ہو چلا ہے بہت عام خودکشی کا رواج

لبوں کو سی کے گنہگار گفتگو ٹھہرو
اسی کا نام ہے دنیا، اسی کا نام سماج

میں کس طرح کسی رستے میں سر اٹھا کے چلوں
کہ میرے سر پہ تو رکھا ہے خواہشات کا تاج

اتر گیا مرے وجدان کی تہوں میں، مگر
وہ رکھ سکا نہ مرے ڈوبتے شعور کی لاج

مری غزل سے ہی پہچان لو مجھے محسنؔ
مری غزل سے جھلکتا ہے میرے فن کا مزاج

طلوعِ صبحِ درخشاں، فروغِ حسنِ بہار
ترے لبوں کا تبسم تری نظر کا خمار

نہ تیرے درد کی آہٹ نہ میرے وہم کا شور
بہت دنوں سے ہے ویراں غزل کی راہگزار

مزاجِ وقت کی تالیف عین ممکن ہے
گراں نہ گزرے تو ان کاکلوں کا اور سنوار

خوشی سے چھین لے مری متاعِ فکر مگر
مرے بدن سے یہ ملبوسِ عافیت نہ اتار

خود اپنے فکر کی پستی پہ دسترس ہے مجھے
بلندیوں کا خدا بن کے مجھ کو یوں نہ پکار

وہ ماہتاب کہاں چھپ گیا کہ جس نے ابھی
مرا نصیب کہ پایا ہے راستوں کا غبار

seekho aur sikhao

چلو کہ چل کے تماشائے فصلِ گل دیکھیں
کہ جل رہا ہے ابھی جنگلوں میں سرخ چنار

ہزار بار گری برق شہر پر محسنؔ
کسی کے جسم پہ چمکے نہ پھول رنگ شرار

ان کے اشکوں کو کہاں تک گریہ شبنم کہیں
آؤ معیار نظر کو بدلیں فسانے کم کہیں

ہے کف موج صبا میں تارِ دامان حیات
اہل دل اس کو میری تقدیر کا پرچم کہیں

ریشمی کرنوں میں لپٹا ہوا بدن تقدیس کا
چاندنی پھیلے تو ہم افسانہ مریمؑ کہیں

دل کے پیمانے میں رقصاں ہے سمندر کا مزاج
ہم اسے اپنی زباں میں کیوں نہ جام جم کہیں

دل یہ کہتا ہے مآل موسم گل دیکھ کر
ہر خوشی کی بزم کو ہم حلقہ ماتم کہیں

نکہتوں کے شہر میں جائیں تو ارباب نظر
زخم کو عکس رخ گل ، اشک کو شبنم کہیں

استعاروں ہی سے قائم ہے بھرم ہر چیز کا
موج صہبا کو لہو اور انگبیں کو سَم کہیں

ہر نئی لغزش کو دیتے ہیں نیا عنوان ہم
زندگی کب تیری تحریر کو مبہم کہیں ؟

اب نہ اس کی یاد ہے نہ محسنؔ نہ لمحوں کا فریب
زیست کی اس کش مکش کو کون سا عالم کہیں

پیغام
seekho aur sikhao

چاک گریباں

قطعات

seekho aur sikhao

چاندنی کارگر نہیں ہوتی
تیرگی مختصر نہیں ہوتی
ان کی زلفیں اگر بکھر جائیں
احتراماً سحر نہیں ہوتی

منتشر یوں عظمت آدم کا شیرازہ ہوا
داغ رسوائی رخ کردار کا غازہ ہوا
میں لب ساحل تھا دریا کہ سکوں پر خندہ زن
ڈوبنے کے بعد گہرائی کا اندازہ ہوا

شکستنی ہے مرا کاسہ دماغ مگر
دلِ غریب کو امید التفات بھی ہے
وہ اِک گناہ کے سرزد ہوا بنام شباب
اسی گناہ سے اندیشہ نجات بھی ہے

شہر احساس ہے تارک پہ ویران تو نہیں
مضطرب ہیں مرے جذبات پریشاں تو نہیں
اتنا گستاخ نہ ہو دست زلیخائے خیال
دامن درد ہے، یوسفؑ کا گریباں تو نہیں

مخلوق تو فنکار ہے اس درجہ کے پل میں
سنگ در کعبہ سے بھی اشنام تراشے
تو کون ہے اور کیا ہے ترا داغ قبا بھی
دنیا تو مریمؑ پہ بھی الزام تراشے

غمِ حیات سے دامن بچا کے چل نہ سکا
میں آرزو کے کھلونوں سے بھی بہل نہ سکا
یہی بہت ہے ٹکرا گیا ہوں لہروں سے
یہ اور بات کہ طوفاں کا رخ بدل نہ سکا

اب غفلت یاراں کا وہی رنگ نہیں ہے
اب عقل و جنوں میں بھی کوئی جنگ نہیں ہے
پھولوں سے کرو اب سر مجنوں کی مدارات
اب کوچہ قاتل میں کوئی سنگ نہیں ہے

جو لِ خامشی کے نگر میں مقیم ہوتے ہیں
وہی تو اصل میں روحِ کلیم ہوتے ہیں
میں پوجتا ہوں پتنگوں کو اس لئے محسنؔ
کہ روشنی کے پیمبر عظیم ہوتے ہیں

فسون دیر و حرم اور بھی چلے گا ابھی
یقیں نہیں کہ یہ سورج یونہی ڈھلے گا ابھی
دلِ غریب کے زخموں کی روشنی میں بڑھو
چراغ راہگذر دیر تک جلے گا ابھی

چاند کا زخم نکھرتا ہے فروزاں ہو کر
زُلفِ حالات سنورتی ہے پریشاں ہو کر
مصلحت جب بھی ہواؤں سے اُلجھنا چاہے
ہم سُلگتے ہیں چراغِ تہِ داماں ہو کر

نوجوانی غمِ پندار سے جل سکتی ہے
آرزو کاسہ افلاک میں ڈھل سکتی ہے
راس آجائے اگر فصلِ برہنہ پائی
زندگی خارِ مغیلاں پہ بھی چل سکتی ہے

بولنے والو! مری روح کے دروازے پر
اپنی بھٹکی ہوئی چپ چاپ صدائیں مانگو
کھو گیا ہوں میں غمِ زیست کے اندھیاروں میں
عمر بھر اب مرے ملنے کی دعائیں مانگو

اپنی خاموش اُمنگوں سے صدا مانگتا ہے
روح کے زخم سے اندازِ حنا مانگتا ہے
کتنا پاگل ہے مرا دل کہ بصدِ رنگِ خلوص
اجنبی شہر میں لُٹنے کی دعا مانگتا ہے

وہ ہنس دیئے تو ستارے بکھر گئے ہر سو
وہ رو دیئے تو کوئی رات مشک بو نہ ہوئی
وہ چل دیئے تو کئی داستانیں چھوڑ گئے
وہ مل گئے تو کوئی بات روبرو نہ ہوئی

seekho aur sikhao

تیرگی کے برج میں تقدیر کا اختر ملا
حسرتوں کی خاک میں غلطاں ہر اِک گوہر ملا
جاگتی صبحوں کی فطرت ہی نہ تھی مقتل پسند
ڈوبتے سورج کا دامن بھی لہو سے تر ملا

وہ پھول تھا ہر آنکھ کے گلدان میں سجا ہے
میں زخم ہوں، رنگوں میں بکھر بھی نہیں سکتا
وہ زیست کا معصوم پیمبر تھا، مگر میں
جینے کا گنہگار ہوں، مر بھی نہیں سکتا

مرے مزاج کا دشمن مری گواہی دے
کہ تیرا نام بھی لیتا ہوں میں دعا کی طرح
ہزار تہمتیں دنیا نے بخش دیں مجھ کو
میں آدمی تھا مگر چپ رہا خدا کی طرح

درد کے چاند کو راتوں کا ستم سہنے دو
وقت کی آنکھ سے کچھ اور لہو بہنے دو
اب مرے طرزِ تخاطب سے پریشاں کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا کہ یارو مجھے چپ رہنے دو

وقت لمحوں کا سنہرا جال ہے
غم، روحِ ہستی پہ گہرا خال ہے
زندگی، صحرا پہ اِک نقشِ قدم
نوجوانی، ہرنیوں کی چال ہے

شام تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لو چراغوں کی تیز تر کردو
شہر دل میں بڑا اندھیرا ہے

مصلحت کے چمن کا حال نہ پوچھ
نکہتوں سے دماغ جلتے ہیں
جو اندھیروں کی تہہ میں بہتا ہو
اس لہو سے چراغ جلتے ہیں

مسکراہٹ کی روشنی کا سبب
آنسوؤں کے چراغ ہوتے ہیں
جن کے چہرے ہوں چاند کی صورت
ان کے دل میں بھی داغ ہوتے ہیں

مزاج دل پہ حوادث کا وار چل بھی گیا
مرا شعور غم زندگی میں ڈھل بھی گیا
مسرتوں سے بچھڑنے لگا تھا ذہن ابھی
ہوائے گردش دوراں کا رخ بدل بھی گیا

میرے معصوم قاتل تجھے کیا کہیں
قتل گہ میں ترا نقش پا بھی نہیں
تو مرے خوں بہا کا تکلف نہ کر
تیرے ہاتھوں میں رنگ حنا بھی نہیں

اِک طرف سیم و زر کے بستر پر
زندگی کروٹیں بدلتی ہے
اِک طرف مفلسی کے دوزخ میں
آدمیت کی لاش جلتی ہے

جسے قبائے امارت سمجھ رہے ہیں جناب
کسی کے جسم سے چھینا ہوا کفن تو نہیں
امیرِ شہر کی مسند کو غور سے دیکھو
کسی غریب کی بیٹی کا پیرہن تو نہیں

کیا حسیں رنگ ہے عبادت کا،
کیا قیامت کی کارسازی ہے،
سجدہ کرتا ہے اُنکی چوکھٹ پر،
دل بڑا مستقل نمازی ہے

یہ تیری آنکھ ہے یا جھیل کے پاکیزہ کنول
یہ تیرا چہرہ ہے یا سجدہ گہِ نورِ سحر
یہ تیری مانگ میں افشاں ہے کہ تاروں کا ہجوم
یہ تیرے لب ہیں کہ یاقوت سے انمول گہر

تیری رفتار ہے یا رقصِ غزالانِ حرم
تیری آواز ہے یا نغمگیٔ لحنِ درود
تیری گردن ہے کہ مرمر کی صراحی کی جمال
تیرے بازو ہیں کہ دو غزلیں بہ ہنگامِ ورود

ہر گھڑی وقفِ طرب صبحِ ازل کی صورت
ہر نفس گرمِ جنوں تھا دمِ عیسیٰؑ کی طرح
میں نے اس مریمؑ معصوم کی خاطر محسنؔ
دل کو سو بار سجایا ہے کلیسا کی طرح

دل کو وقف غم حالات کئے بیٹھا ہوں
یہ حسیں زہر بھی مدت سے پیے بیٹھا ہوں
وہ عزادار محبت ہوں کہ باوصف جنوں
آنکھ بھی تر نہیں دامن بھی سیے بیٹھا ہوں

اک حسیں اضطراب ہوتا ہے
تشنگی دل کی اور بڑھتی ہے
وہ اگر بے نقاب ہو جائے
چاندنی بھی درود پڑھتی ہے

پیغام seekho aur sikhao

صحن چمن کی شام تھی اور تو قریب تھا
یعنی مجھے سرور دو عالم نصیب تھا
کلیوں کا حسن تیرا تبسم مری غزل
وہ حسن اتفاق بھی کتنا عجیب تھا

موت کی بے رخی کے متوالو
زندگی کے اسیر بن جاؤ
فقر کی سلطنت نرالی ہے
بادشاہو! فقیر بن جاؤ

لغزشوں کے حسین سائے میں
میکدے کے اصول بنتے ہیں
دل کے زخموں سے خار مت کھاؤ
دل کے زخموں سے پھول بنتے ہیں

یوں کسی مہ جبیں کے چہرے پر
کھیلتی ہے شباب کی رانی
جیسے ساون کی اودی چھاؤں میں
رقص کرتا ہے سندھ کا پانی

اف !! تمہاری حسین آنکھوں میں
کیفیت نیند کے خماروں کی
جس طرح تھک کے چور ہو جائے
سانولی شام ، کوہساروں کی

آرزوؤں کی سوہنیاں ڈوبیں
میرے دل کے چناب میں اکثر
جیسے اک مے گسار کے آنسو
ڈوبتے ہیں شراب میں اکثر

پیغام
seekho aur sikhao

حسن کا احترام فرماؤ
حسن، معصوم پھول ہوتا ہے
جس کے ماتھے سے روشنی پھوٹے
وہ یقیناً رسول ہوتا ہے

حسن ہے ابتسام کلیوں کا
حسن عصمت مآب ہوتا ہے
حسن کو آئینے کی کیا پرواہ
حسن تو لاجواب ہوتا ہے

seekho aur sikhao

حسن کو چاند سے نہ دے نسبت
حسن کب داغ دار ہوتا ہے
عشق سے پوچھ حسن کا رتبہ
حسن پروردگار ہوتا ہے

ذہن رسا کی محفل خاموش میں کبھی
وہ شور کر کہ کچھ بھی سنائی نہ دے مجھے
اے دوست چھوڑ کر یہ رگ جاں کی پستیاں
اتنا بلند ہو کہ دکھائی نہ دے مجھے

seekho aur sikhao

قدم قدم پہ جلاؤ سرشک غم کے چراغ
روش روش پہ فضاؤں کو سوگوار کرو
چمن چمن میں ہے تقریب جشن ماتم گل
کلی کلی کے گریباں کو تار تار کرو

فِشارِ ذہن میں جلتا رہا شرر نہ ہوا
یہ سنگِ راہ بنا، شمع رہگذر نہ ہوا
بڑا عجیب لطیفہ ہے ابنِ آدم کا
ستم ظریف خدا بن گیا بشر نہ ہوا

زلفوں میں سکوں پائے تھکن شام اودھ کی
رخ "صبح بنارس" کی امنگوں کا کنول ہے
اس شوخ کو الفاظ کے شیشے میں نہ ڈھالو
غالبؔ کا تخیل ہے وہ حافظؔ کی غزل ہے

خوشی کا زہر کسی شیشہ الم میں رہا
مرا شعور صدا وہم بیش وکم میں رہا
کسی نے چھین لی بیوہ کے سر سے چھاؤں مگر
فقیہہ شہر عمامے کے پیچ وخم میں رہا

کبھی پیمبرِ حسنِ غزل شباب ترا
کبھی سکون کا دشمن ہے اضطراب ترا
تو اِک سوالِ سماعت فریب ہے اب بھی
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے مگر جواب ترا

میں جلوہ صد رنگ ہوں یا موج صبا ہوں
احساس کی چوکھٹ پہ کھڑا سوچ رہا ہوں
اک جام تو پی لینے دے اے گردش دوراں
پھر تجھ کو بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں کیا ہوں
تم یاد کرو پہلی ملاقات کی باتیں
میں پہلی ملاقات ذرا بھول گیا ہوں
سو بار زمانے نے مجھے زہر دیا ہے
سو بار میں سچ بول کے سقراط بنا ہوں
اے دوست زمانے کی عنایات پہ مت جا
تو خاک بسر ہے تو میں زنجیر بہ پا ہوں
مانوس شب غم جو نہیں تھا مرا احساس
ہلکی سی اک آہٹ پہ بھی اب چونک پڑا ہوں
ہر اشک یہاں روکش تنویر سحر تھا
ہر زخم یہ کہتا ہے "بند قبا" ہوں
اکثر اسے پا لینے کی امید میں محسنؔ
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بنا ہوں

www.peghan.com